# اقبال کا تصورِ نسواں اور تانیثیت: مماثلات وامتیازات

## Iqbal's Concept of Femineity and Feminism: Similarities and Differences

ڈاکٹر عابدہ نسیم [i]

Abstract:

*Iqbal is a great poet of Urdu who has a complete philosophy of life. The basic concept of his philosophy is to explore the status of human being in this world. This identification is incomplete without consideration of female position. Iqbal has also a vision about women prestige and position in society. Feminism is a very important discourse of our age which has tries to identify the actual status of women in society and literature. In this article researcher has tried to explore the feminist aspect of Iqbal's intellect and its relevance with contemporary feminist approach.*

Keywords: *Allama Iqbal, Urdu Poetry, Concept of a women, Feminism.*

اقبال اردو کے وہ عظیم شاعر ہیں جن کے پاس مکمل فلسفہ حیات ہے۔ ان کے فلسفے کا بنیادی تصور اس دنیا میں انسان کی حیثیت کو تلاش کرنا ہے۔ یہ شناخت خواتین کے مقام پر غور کیے بغیر نامکمل ہے۔ اقبال کا معاشرے میں خواتین کے وقار اور مقام کے بارے میں بھی نظریہ ہے۔ حقوق نسواں ہمارے دور کا ایک بہت اہم ڈسکورس ہے جس میں معاشرے اور ادب میں خواتین کی اصل حیثیت کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مضمون میں محقق نے اقبال کی فکری نسوانی پہلو اور اس کی عصری نسوانیت کے نقطہ نظر سے مطابقت کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

**کلیدی الفاظ:** اردو شاعری ، علامہ اقبال ، تصورِ نسواں ، تانیثیت۔

اقبال اردو کے سربرآوردہ شاعر ہیں جو ایک باقاعدہ نظام فکر رکھتے ہیں۔ ان کی فکر نہایت پہلو دار ہے اور وہ اپنے عہد کی حقیقتوں کو روشن خیال بصیرت افروزی اور ایک فعال رومانیت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان میں اپنے عہد سے آگے دیکھنے کی لپک ہے اور وہ مستقبل کے پیش بین ہیں۔ انھوں نے حضرت انساں کو دنیا میں اپنے مقام کا عرفان حاصل کرنے اور ایک بہترین زندگی بسر کرنے کی تعلیمات دی ہیں۔ ان کے نظام فکر میں عورت کے حوالے سے بھی ایک مخصوص نقطہ نظر پایا جاتا ہے اور وہ عورت کو بھی بڑی روشن خیالی اور وسیع القلبی کے ساتھ ایک حقیقی نسائی کردار نبھانے کی تلقین کرتے ہیں۔ تانیثیت یا فیمینزم عہد حاضر کا ایک اہم تنقیدی طریق کار ہے جس کی رو سے ادب کو عورت کی نقطہ نظر سے جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ادب میں عورت کی پیشکش اور اس کے ضمن میں معاشرے کے مروجہ اقدار و ضوابط اور عورت کے حوالے سے برتے جانے والے صنفی امتیازات سے بحث کی جاتی ہے اور طبقہ نسواں کی استحصال کنندہ ظاہری و مخفی قوتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ عورت سے متعلق اقبال کے تصورات کو عہد حاضر

[i] لیکچرر ، شعبہ اُردو زبان و ادب ، یونی ورسٹی آف سرگودھا۔

کے تناظر میں از سر نو مطالعہ کرنا اہم اور نتیجہ خیز ہو گا، جس سے فکر اقبال کی تانیثی جہت متعین کرنے میں مدد ملے گی اور موجودہ تانیثی منظر نامے کے ساتھ اقبال کی مطابقت کو دریافت کیا جاسکے گا۔

اقبال کے عہد کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ دنیا سائنسی انقلاب سے زیر و زبر ہو چکی تھی، مارکس کی سرمائے کی تھیوری نے ہلچل مچا رکھی تھی، فرائیڈ نے نفسیات کو سائنس بنا دیا تھا، عورتیں اپنے حقوق اور آزادی نسواں کے لیے آواز بلند کر چکی تھیں۔ ہندوستان تہذیبی تصادم سے بری طرح دوچار تھا، سیاسی بیداری کی لہر انگڑائیاں لے رہی تھی اور حصول آزادی کی جدوجہد حتمی مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ ہندوستان میں مخلوط تعلیم کے ادارے کھل چکے تھے، مسلم اشرافیہ کی لڑکیاں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھ رہی تھیں اور سائیکل موٹریں تو کیا جہاز تک اڑانا بھی سیکھ گئی تھیں۔ ادب میں گوشت پوست کی جیتی جاگتی عورت کا تصور ابھر رہا تھا اور ادب کو افتادگان خاک کی زندگیوں کا ترجمان بنانے کے لیے انجمن سازی ہو رہی تھی۔ اس تناظر میں جب اقبال کو دیکھیں تو وہ عورت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ :

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بے چاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار[۱]

بہ ظاہر اقبال کے نظام فکر کے سارے اسرار و رموز مرد مرتکز نظر آتے ہیں۔ ان کے ابتدائی کلام کا ایک بہت بڑا حصہ عورت کے ذکر سے خالی ہے اور صرف چند ایک مقامات پر کہیں گود میں بلی دیکھ کر اور کبھی پھول کا تحفہ ملنے پر ان کے دل میں گدگدی سی ہوئی اور وہ سنبھل کر آگے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ دنیا کی محفلوں سے اکتا کر فطرت کی گود میں پناہ لیتے وقت بھی انھوں نے عورت کو شریک حال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ایسے میں نظر ضرب کلیم کی ان منظومات پر ٹھہرتی ہے جن کا عنوان عورت ہے۔ ان منظومات کا مطالعہ کیا جائے تو دیگر موضوعات کے مقابلے میں تناسب میں کم ہونے کے باوجود بہت جامعیت اور پہلوداری کے ساتھ عورت کے بارے ان کے تصورات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اقبال کے ان تصورات کو ان کے دیگر نثری افکار (جو وقتاً فوقتاً علمی اظہار خیال کے طور پر لکھے گئے) کے ساتھ جوڑ کر دیکھیں تو ایک مکمل فکری نقطہ نظر واضح ہوتا ہے اور عورت سے متعلق ان کی بصیرت کی عکاسی ہوتی ہے۔

اقبال کے تصور نسواں اور تانیثیت کے ساتھ اس کی مطابقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تانیثیت کے ان بنیادی خدوخال کا احاطہ کر لیا جائے جن سے اکثر بحث کی جاتی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں

تانیثیت کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

"A term of recent origin to designate the motives and ideas that underline the modern movement in favor of right for woody. It includes the personal and social as well as the political and economic aspects of the movement and has for its object the placing of women on a complete equality with men."[2]

اس تعریف کے مطابق تانیثیت شخصی، سماجی، سیاسی اور معاشی سطح پر خواتین کی کلی مساوات کے حصول کی جدید تحریک کے لیے مروج اصطلاح ہے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ تانیثیت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سماجی، سیاسی اور معاشی سطح پر عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دلانے اور عورتوں کے مسخ شدہ کردار کے خاتمے کی جدوجہد ہے۔[۳] تانیثیت کی مندرجہ بالا تعریفات میں مساوی حقوق کے حصول کا پہلو غالب ہے تاہم ادبی سطح پر دیکھیں تو مرد اساس معاشرے میں عورتوں کے تجربات، عورتوں کی زباں بندی، ان کے مسائل کو نظر انداز کرنا، مرد لکھاریوں کی طرف سے ادب میں عورت کا تصور اور من چاہی تعبیر، ادب کی نسائی نقطہ نظر سے شرح و تعبیر اور عورتوں کی خود مکتفی زبان کی ضرورت سبھی کچھ اس کے دائرہ کار میں شامل ہے۔[۴]

عورتوں کی مساوات اور ان کے حقیقی تشخص کی بازیافت کے نقطہ نظر کو جب اقبال کے افکار کی روشنی میں دیکھیں تو ان کے ہاں یہ تصور اسلام کی تعلیمات کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وہ مرد اور عورت کے کردار اور حیثیت کی تعیین کے لیے اسلام کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ مرد کو عورت سے برتر نہیں سمجھتے اور بہ طور انسان دونوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ وہ آیت قرانی کی مدد سے استدلال کرتے ہوئے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہیں کہ۔۔ یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔۔ مرد عورت کا محافظ ہے۔۔ بعض خاص علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنی ہے اور مرد اعلی۔۔ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔[۵] مرد کو عورت کا محافظ سمجھنے سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کی معاشی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے اور اس واسطے سے زندگی کے عمل میں دونوں کے کچھ دائرہ ہائے کار کی تخصیص کر دی گئی ہے اور دونوں کو ان منطقوں میں مزاحم نہیں ہونا چاہیے۔ اقبال کے اس نقطہ نظر کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ وہ عورت کے معاشی استحقاق کو تسلیم نہیں کر رہے یا اس سے صرف نظر کر رہے ہیں، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ معاشی حقوق کے تحفظ

کی ذمہ داری مرد کا مذہبی فریضہ ہے۔ گہرائی میں دیکھیں تو ان کے پیش نظر وہ سماجی رویے اور معاشرتی معیارات تھے جو عورت کے معاشی تحفظات کی راہ میں حائل رہتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے بہ طور خاص حق وراثت کے لیے والد اور شادی کے بعد معاشی ضروریات کے لیے شوہر کو پابند ٹھہرایا ہے۔ اپنے اس نقطۂ نظر کا جواز وہ اسلامی تعلیمات سے پیش کرتے ہیں کہ ان حقوق کی تکمیل کے لیے مرد کو حکم الٰہی دیا گیا ہے۔ اقبال عورت کو معاشی تکلیف سے نجات دلانا چاہتے ہیں تاکہ اسے اپنے اس حق کی تگ و دو کے لیے سڑک پر نہ آنا پڑے۔ اس بنا پر وہ معاشی میدان میں مرد اور عورت کی مساوات مطلق کی حمایت نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ دونوں کو جدا جدا خدمتیں تفویض کی گئی ہیں۔[۶] اس لیے عورت کے حقوق کی مساوات کے ایک پہلو میں مرد کی شمولیت وذمہ داری کے اس نقطہ نظر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا محل نظر ہے کہ اقبال صنفی امتیاز برت رہے ہیں اور عورت کے مساویانہ حقوق کے قائل نہیں یا ان کا رویہ تنگ نظری پر مشتمل ہے (یا موجودہ زبان میں تانیثیت مخالف ہے)۔ وہ عورت کے بطور فرد دیگر تمام حقوق کے داعی ہیں اور اسے کسی طرح بھی مرد سے کم تر نہیں سمجھتے حقیقت میں اقبال عورت کے معاشی حق کے تحفظ کی وکالت کر رہے ہیں جس سے عام طور پر پہلو تہی کی جاتی ہے اور آج کی عورت کو اس حق کے حصول کے لیے جد و جہد کرنا پڑ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس حق کے ممکن ہونے کے عملی اقدام پر زور دیتے ہیں۔ ان کا مقصد اس حرمت اور تقدیس کی پاسداری ہے جو منصب امومت پر فائز ہونے سے عورت کے حصے میں آئی ہے۔ عورت کو فطرت کی جانب سے زیادہ بوجھ اٹھانا اور زیادہ تکلیف برداشت کرنا حصے میں ملا ہے تو پھر وہ زیادہ رعایت کی مستحق بھی ہے، اور یہ بات تو عین عورت کے حق میں ہے۔ مرد اور عورت کے مابین اس حیاتیاتی امتیاز کی بنا پر اقبال ایک ظاہری کلی مساوات کا قیام فطری طور پر ممکن نہیں سمجھتے۔ عورت کو فطرت نے تخلیق آدم کا اہم فریضہ سونپا ہے جو اپنی ذات میں اتنا کامل و قیع اور اہم ہے کہ اس کی ادائیگی کی خاطر اسے دیگر ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ وہ عورت کے لیے معاشی طور پر خود کفیل اور مستحکم ہونا قطعی برا نہیں سمجھتے مگر انھیں اس بات پر اعتراض ہے کہ عورت دوسروں کی کفالت کا بوجھ اپنے سر پہ اٹھائے۔ ان کے نزدیک یہ عورت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جب مرد اس کی جگہ بچے پیدا کرنے اور پالنے کی ذمہ داری نہیں لیتا تو پھر وہ کیوں اس کا درد اپنے سر مول لیتی ہے۔ اقبال کے نزدیک عورت کا اول و آخر منصب ماں ہے اور اسے اسی منصب سے عہدہ برآ ہونے کی تعلیم وتربیت دینی چاہیے۔ ماں کا خواب، والدہ مرحومہ کی یاد میں اور دیگر نظموں میں وہ ماں کی مامتا،

محبت، تڑپ اور مقام و مرتبے کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں [۷]

امومت کے اس منصب پر فائز ہونے کے لیے اقبال سمجھتے ہیں کہ عورت کو ایسی تعلیم و تربیت دی جائے جو اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو، جس میں کردار سازی، اخلاقیات اور قوت ایمانی پر توجہ مرکوز کی جائے۔ وہ اپنے اردو اور فارسی کلام میں تاریخ سے ایسی عورتوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں جن کا جذبہ ایمانی لائق تحسین ہے۔ سب سے پہلے تو حضرت فاطمہ کی سادگی و قناعت اور زہد و تقوی کی تقلید کا درس دیتے ہیں۔ پھر فاطمہ بنت خطاب کے جذبہ ایمانی، بہادری اور استقامت کو سراہتے ہیں جس نے بھائی کے خوف سے ترک اسلام نہ کیا اور بالآخر اسی کے جذبہ ایمانی سے متاثر ہو کر عمر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر وہ فاطمہ بنت عبداللہ کے جذبہ ایمانی و حریت کا حوالہ دیتے ہیں جس نے کم سنی میں ظلم و استبداد کے خلاف جہاد میں عملی طور پر شرکت کی۔ اسی طرح وہ بہادر شاہ ظفر کے گورنر پنجاب عبدالصمد کی صاحب زادی شرف النساء کا ذکر کرتے ہیں جو ہمہ وقت تلاوت کلام پاک میں مصروف رہتی اور تلوار مرصع کمر میں رکھتی تھی اور مرتے وقت اس نے یہ دونوں چیزیں قبر کے ساتھ رکھنے کی وصیت کی۔[۸] اقبال کے نزدیک یہ تمام عورتیں مثالی نمونے ہیں، ان کی عظمت، پختگی کردار، جذبہ ایمان، شجاعت، دلیری اور پاکیزگی کردار وہ صفات ہیں جو عورت کو عظیم ماں کے مرتبے پر فائز کرتے ہیں، جس کی گود میں عظیم اولاد پرورش پاتی ہے۔

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں [۹]

سید ابوالحسن ندوی کہتے ہیں کہ اقبال کے مطابق دنیا کی اصل ماؤں کی ذات ہے اور یہ ذات امین ممکنات اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل ہے اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظام زندگی نہیں سنبھل سکتا۔[۱۰] اس لیے وہ عورتوں کی ایسی تعلیم و تربیت کو ضرر رساں سمجھتے ہیں جس سے انھیں سماجی پیشہ جات کے واسطے تیار کیا جاتا ہے اور معاشی مشغولیات میں جھونک کر انھیں ان کے اصل منصب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ ایسے عناصر کو شر اور تخریب کی قوتیں قرار دیتے ہیں جو بالآخر مرگ امومت پر منتج ہوتی ہیں۔ جاوید نامہ میں انھوں نے نبیہ مریخ نامی ایک ایسی ہی طاغوتی قوت کا ذکر کیا ہے جو جدید تعلیم سے آراستہ اور

سائنسی دریافتوں سے بہرہ ور ہے۔ وہ عورتوں کو مردوں کے چنگل سے آزاد ہونے اور خود انحصار ہونے کی ترغیب دیتی ہے تاکہ وہ تخلیق کے کرب سے نجات پا کر اپنی آزادیوں سے محظوظ ہو سکیں۔[۱۱]

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ اُمومت ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت[۱۲]

اقبال کا یہ نقطہ نظر تنگ نظری اور تعصب پر مبنی نہیں ہے، جب اس کے مضمرات اور عہد حاضر میں اس کے ثمرات کو دیکھا جائے تو ان کی پیش بینی صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اقبال اپنے قیام یورپ کے دوران جدید تہذیب کی چکا چوند اور کھوکھلے پن کو بہت قریب سے دیکھ چکے تھے اور ان کی دور بینی اور ژرف نگاہی نے اس کی تباہ کاریوں اور پیچیدگیوں کو قبل از وقت بھانپ لیا تھا۔ تہذیب جدید کے پر فریب حربوں کے نتیجے میں مساوات کامل اور آزادی نسواں کی پر کشش ترغیبات سے عورت کے استحصال کی راہ ہموار ہوئی اور اسے ہر اس ناگوار اور مکروہ کام کرنے پر لگا دیا گیا جو اس کے کرنے کا نہیں تھا۔ اقبال کے نزدیک تہذیب جدید کا یہ ایسا حربہ ہے جس سے خاندانی نظام کی شیرازہ بندی پر کاری ضرب لگی ہے۔ عورت کو خلوت کدہ اطمینان سے نکال کر مصروف اور کاروباری زندگی کی جلوتوں میں الجھا کر شمع محفل بننے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اس سے معاشرے میں انتشار و افتراق پیدا ہوتا ہے اور فطری توازن کا نظام گڑبڑ ہوتا ہے اور ایک صحت مند معاشرے کا قیام ممکن نہیں رہتا۔ اس حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

”آپ کو فقط آزادی پر نہیں جانا چاہیے، آزادی کے صحیح مفہوم پر غور کرنا چاہیے، یورپ کی آزادی کو ہم خوب دیکھ چکے ہیں، یورپین تہذیب باہر ہی سے دیکھی جا رہی ہے کبھی اندر سے دیکھی جائے تو رونگٹے کھڑے ہوں۔“[۱۳]

اقبال اس سارے عمل کو سرمایہ دارانہ معاشرے کا ایک کاروباری حربہ سمجھتے ہیں جس کے توسط سے عورت کو تعمیری، محفوظ اور مختارانہ حیثیتوں سے منحرف کر کے تخریبی، غیر محفوظ اور متنازع حیثیتوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے نسوانیت کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ انھوں نے اس صورت حال کے مضمرات کا تجزیہ اپنے پیش رو اکبر الہ آبادی کے انداز میں کچھ یوں کیا ہے:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ
یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند غیرت نہ تجھ میں ہو گی نہ زن اوٹ چاہے گی

آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی"[۴]

ظاہری طور پر اقبال کے یہ افکار عورت کے بارے میں ایک محدود اور متعصبانہ نقطہ نظر کے عکاس نظر آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ عورت کو ذہنی سطح پر تسلیم کرنے سے خائف ہیں اور سماجی تعمیر وترقی میں اس کے عملی کردار کے حامی نہیں ہیں، لیکن جب ان تحفظات پر غور کیا جائے جو اس ضمن میں ان کے پیش نظر تھے تو وہ نہ صرف طبقہ نسواں کے بہت بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بلکہ صحیح معنوں میں ایک Feminist Approach کے حامل نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں اقبال عورت کی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی اسے گھر کی چار دیواری میں مقید کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظر ان بھیانک نتائج پر تھی جن کی صورت میں عورت کو اس ترقی معکوس کی قیمت چکانا پڑتی ہے۔ انھوں نے بہت پہلے عورت کے ان حقوق کا تحفظ کرنے کی کوشش کی جن کے لیے وہ آج سر گرداں نظر آتی ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں مدراس کی خواتین کی طرف سے پیش کیے گئے سپاس نامے کے جواب میں لکھے گئے اپنے مضمون "شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ" میں عورت کے حقوق اور اس کے کردار کے حوالے سے کھل کر اپنے نقطہ نظر کی مدلل وضاحت کی ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں عورت کی آزادی اظہار و حق رائے دہی، تعلیم وتربیت و نصاب سازی، فیصلہ سازی کا اختیار، شادی کا انتخاب، طلاق کا اختیار، عقد ثانی کا حق، حق وراثت وملکیت، نکاح کی شرائط وضوابط کا تعین، تعدد ازواج کا اختیار، کم عمری کی شادی، بچوں کی تعداد، معاشی حقوق کا تحفظ اور خدمات کے تعین کے حوالے سے بڑے ترقی پسندانہ زاویے سے بحث کی ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں برتے جانے والے رواجی، جاہلانہ، جابرانہ اور رجعت پسندانہ رویوں پر کڑی تنقید کی ہے اور اس حوالے سے قانون سازی کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے عورتوں کو اپنے حقیقی مقام کو پہچاننے اور حقوق سے آگاہ ہونے اور اس پر مکالمہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ وہ اس رویے پر گرفت کرتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر مردوں کی طرف سے ان معاملات میں اغماض برتا جاتا ہے اور عورتوں کو ان کی زندگی کے بہت اہم معاملات، فیصلوں اور استحقاقات سے بے خبر رکھا جاتا ہے:

"ہمارے علما نے کبھی اس بات کی توضیح ہی نہیں کی کہ نکاح کے وقت عورت کہہ سکتی ہے
جو حقوق اسلام نے طلاق کا تم کو (مرد کو) دیا ہے وہی۔۔ مجھے دے دو تو پھر نکاح ہو گا۔۔
کسی کو معلوم نہ تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت یہ حق بھی حاصل ہے۔۔ یہ سچ ہے کہ

مسلمان مردوں نے اس اجازت (تعدد ازواج) سے بے جا فائدہ اٹھایا۔۔ نکاح کے وقت عورت مرد سے۔۔ (تعدد ازواج) کے حق کو ترک قرار دو۔۔اس مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ میں ایک الزام لڑکیوں کے باپوں کو بھی دوں گا کہ وہ نکاح کے وقت عورتوں کے حقوق پر نگاہ نہیں رکھتے۔۔ کیوں بوقت ضرورت عورتیں مردوں سے قانونی ذریعے سے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتیں؟ کیوں بھائیوں سے جائیداد کا حصہ طلب نہیں کرتیں۔۔ خانگی تنازعات کے تصفیہ کے لیے اسلامی عدالتیں قائم ہونی چاہییں۔۔ حالات کو ملحوظ رکھ کر شرعی مسائل پر غور کرنا چاہیے۔۔اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنے والدین سے اصرار کریں۔۔ اگر عورتیں اپنے حقوق کی حفاظت پر پورے طور پر آمادہ ہو جائیں۔۔ تو۔۔ مردوں کی زندگی تلخ ہو جائے۔۔۔ وہ حق جس کا عورت انصاف و عقل کے ساتھ کبھی مطالبہ کر سکتی ہے، وہ قرآن پاک نے دے دیا ہے۔" [۱۵]

اقبال نے ان استحصالی طاقتوں کو قبل از وقت نشان زد کر دیا تھا جو آج عورت کے وجود کے گرد ترغیبات کا حصار بن چکی ہیں۔ ان کے مرد مومن کے تصورات کے مقابلے میں عام طور پر ان کی فکر کی نسائی جہت پر کم توجہ کی جاتی ہے۔ عہد حاضر کے تناظر میں اس کی معنویت بہت بڑھ چکی ہے اور ضروری ہے کہ دور حاضر کے سیاق و سباق میں اس کی تفہیم و تعبیر کی جائے۔ مندرجہ بالا افکار پر غور کیا جائے تو اقبال حقیقی معنوں میں ایک تانیثی شعور کے حامل نظر آتے ہیں۔ وہ عورت کو ایک فرد کی سطح پر تسلیم کرتے ہوئے اسے آزادی اظہار کا اور اپنے تحفظات سے متعلق مکالمہ کرنے کا پورا پورا حق دیتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اس ضمن میں اسے عملی طور پر فعال ہونے کی تلقین کر رہے ہیں انھیں اس بات کا بھرپور ادراک ہے کہ مشرق و مغرب میں اپنی اپنی سطح پر عورت کا استحصال ہو رہا ہے۔ عورت کی اپنے شرعی اور انسانی حقوق سے لاعلمی، خاموشی اور اس ضمن میں روا معاشرتی منافقانہ معیارات کے حوالے سے وہ ایک باقاعدہ مزاحمتی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر بصیرہ عنبرین نے وجود زن سے متعلق اقبال کے ہاں تین زاویوں کا ذکر کیا ہے: پہلا زاویہ رومانی و جمالیاتی ہے، دوسرا عورت کے منصب امومت اور فرائض نسواں کا ہے جب کہ تیسرا زاویہ ایک فرد کی سطح پر بلند ہونے کا ہے۔ وہ اس حوالے سے کہتی ہیں کہ اقبال کے ہاں تصور زن کے اس پہلو کو قدرے نظر انداز کیا گیا حالاں کہ عہد موجود کی صورت حال، ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر اور تانیثی حوالے سے بعض نئے نظریات و تحریکات کی موجودگی میں اس تیسرے نظر انداز کیے گئے نقطہ نظر کو نمایاں کرنے کی

ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اقبال کے تانیثی نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہیں:

> "تیسرا نکتہ کلی طور پر عورت کا مقام بہ حیثیت فرد تعین کرتا ہے اور یہاں علامہ مدلل انداز میں ثابت کرتے ہیں کہ عورت ایک انسان ہونے کے ناتے ایک فرد کے طور پر وجود رکھتی ہے اور دیگر افراد ملت کی طرح تخلیق و تحصیل مقاصد، آزادی و مساوات اور تحرک و حرارت وغیرہ جیسے زریں اصولوں کو اپناتے ہوئے نہ صرف اپنی شخصیت میں امتیاز پیدا کر سکتی ہے بلکہ ملت کے ایک متحرک فرد کے طور پر اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دے سکتی ہے۔"[۱۶]

تانیثیت کے حوالے سے جو مباحث کیے جاتے ہیں ان میں استحصال کو سب سے زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے۔ مرد حاکمانہ رویوں کی وجہ سے عورتوں کو جس دباؤ، جبر اور بالادستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر ان کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ بقول انور پاشا تانیثیت کا تصور عورتوں کے ذریعے خود اپنے تشخص کی تلاش، اپنے وجود کے آزاد اظہار اور مرد اساس معاشرے کے تمام تر اقدار و معیار پر سوالیہ نشان لگانے کے ساتھ ساتھ نئے اقدار و معیار کی تشکیل و تعمیر کی جہتوں کو وا کرنے سے عبارت ہے۔[۱۷]

عہدِ حاضر کے تناظر میں دیکھیں تو عورت کے استحصال کی مختلف طاقتیں کئی مہذبانہ بہروپ اپنائے مصروف عمل ہیں۔ اس استحصال کی ایک صورت تو وہ ذہنی اذیت ہے جو ایک جدید تعلیم یافتہ عورت کو عملی و معاشی میدان میں اپنے آپ کو منوانے کے لیے اٹھانا پڑتی ہے۔ یہ درست ہے کہ عورت نے اپنے ذہنی وجود کو دنیا پر ثابت کر دیا ہے اور اب وہ صرف تخلیق آدم تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ ایجادات و مصنوعات کی خالق بھی ہے۔ کاروبار، سرمایہ داری، قیادت و سربراہی اور میڈیا میں ہر جگہ اس نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں، مگر اس سارے عمل میں اسے کتنے جتن کرنا پڑتے ہیں اور کیسے کیسے کشٹ اٹھانا پڑتے ہیں، دور حاضر کا ادب اور صحافت اس سے بھرا پڑا ہے۔ اعصابی دباؤ، ذہنی مشقت، ڈپریشن، بلیک میلنگ، مزاحمت، تشدد اور ہراسگی کے نجانے کتنے اعصاب شکن مراحل ہیں جو اس ضمن میں عبور کرنا پڑتے ہیں۔ اقبال عورت کو کرب، مسابقت اور مقابلہ بازی کے اس اعصاب شکن کھیل سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ عورت کے وجود کا ادراک ایک جمالیاتی سطح پر کرتے ہیں اور اسے تصویر کائنات کی رعنائی کا پیکر سمجھتے ہیں اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ وہ ان فرائض و خدمات تک محدود رہے جنھیں وہ اپنی خوش طبعی اور فطری لطافت

کے دائرے میں رہ کر انجام دے سکتی ہے۔ اس کی توانائیاں مصنوعات کی صنعت گری کے بجائے قوم کی صورت گری اور شرف انسانیت کی پاسداری کی تعلیم پر صرف ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا تانیثیت کے تصور پر بحث کرتے ہوئے عورت کے جمالیاتی وجود کے اسی امتیاز پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رحم، ارتباط، جڑت، مامتا اور نسائیت کا جوہر عورت کے ایسے خصائص ہیں جو اسے مرد سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس لیے مرد کے ساتھ مطلق مساوات کے دعوے اور کوشش کے باوجود بھی یہ خصائص ہمیشہ اسے مرد سے منفرد رکھیں گے۔ یہ خاص وصف (جوہر نسوانیت) تانیثیت کی تحریک کے خاتمے کے بعد بھی اسی طرح زندہ رہے گا جس طرح وہ نسل انسانی کے لاکھوں سالوں کے دوران میں رہا ہے۔ بنیادی طور پر اس کی پہچان وہ نسوانیت ہے جس میں لچک، سرگوشی، اپنائیت اور محبت کے دیرپا زاویے کومل انداز میں باہم آمیز ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا ورثہ ہے جو اسے ہزاروں نسلوں کے نسائی تجربات سے حاصل ہوا ہے اور جو آخری دم تک اس کا ساتھ دے گا۔[۱۸]

عورت کے استحصال کا دوسرا پہلو نہایت ہی تکلیف دہ ہے۔ سماجی و معاشی سطح پر مصروف عمل ہو کر عورت کو دوہری صعوبتوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اسے اپنے حصے اور بساط سے زیادہ جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ سماجی مصروفیات کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری اور خانگی سکون کو برقرار رکھنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے، اور اسے قائم رکھنے کے جتن میں عورت کی ذات کی اکائی کئی خانوں میں بٹ جاتی ہے۔ خانوں میں بٹی ہوئی عورت آج کی تانیثی فکر کا ایک بہت اہم موضوع ہے اور اقبال نے اس کرب کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا اور عورت کو اس اذیت سے نجات پانے کا مشورہ دے دیا تھا۔ اس لیے وہ عورتوں کو اس Thankless اذیت سے نجات دلا کر اپنی ذات پر توجہ مرکوز کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ دوہرے نظاموں کو کامیابی سے چلانے کی جدوجہد میں عورت کا چٹخا ہوا وجود، معدومیت کا خوف اور اعصابی تشنج جن نفسیاتی پیچیدگیوں پر منتج ہوتا ہے، اقبال کو بہت اچھی طرح اس کا ادراک ہو چکا تھا۔ عہد جدید کے منظر نامے میں ذمہ داریوں کی تقسیم کا مسئلہ گھمبیر صورت اختیار کر چکا ہے۔ میں تمھارے حصے کا کام کیوں کروں؟ فیمیزم کے حوالے سے یہ سوال آج کل بہت اٹھایا جاتا ہے۔ اقبال بھی عورت کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ آخر وہ دوسروں کے حصے کا کام کیوں کرے۔ جب سے عورت نے معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے سر لیا ہے مرد اپنے فرائض سے پہلو تہی کرتا نظر آتا ہے۔ گذشتہ کئی دہائیوں کے تعلیمی نتائج اور ملازمتوں میں کامیابی کی شرح سے اس بات

کی تائید ہوتی ہے کہ عورت عملی زندگی میں اپنی معاشی خود انحصاری کے لیے جان توڑ کوشش کر رہی ہے۔ مردوں میں مسلسل تساہل پسندی، کاہلی اور نا قابلیت کا رجحان فروغ پا رہا ہے جس کی ایک بڑی وجہ معاشی ذمہ داریوں کی عورت کی طرف منتقلی ہے۔ متعدد ایسے گھرانے ہیں جہاں مرد بے روزگار ہیں اور عورتیں گھروں کو چلا رہی ہیں۔ ان سب مسائل کی ایک بڑی وجہ کہیں نہ کہیں مردوں اور عورتوں کی اپنے اپنے منطقوں سے دوری ہے۔ اقبال معاشرے کو عدم توازن کی ان تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاہتے ہیں کہ فریقین اپنے اپنے دائرے کا تعین کریں:

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش[۱۹]

یہ سب باتیں یقیناً عورت کے کردار کو چھوٹا نہیں کرتیں بلکہ اس نے تو اپنی قابلیت، صلاحیت اور لگن سے دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اپنے مقصد کے ساتھ کمنٹ منٹ اور قوت ارادی کے لحاظ سے وہ مرد سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عورت کو اس سارے عمل کی قیمت جس معکوس انداز میں چکانا پڑتی ہے اس پر ابھی اس کی نظر نہیں ہے۔ اس میں یقیناً مرد کا فریب پنہاں ہے اور اقبال عورت کو یہ فریب سمجھنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ کمرشلائیزیشن، کارپوریٹ کلچر، میڈیا، اشتہار سازی، کنزیومرازم اور اس جیسی دیگر پر کشش اور حسین ترغیبات کے پردے میں عورت کے استحصال کی راہ ہموار کی گئی ہے اور عورت ایک کموڈٹی بن کر رہ گئی ہے۔ کارخانوں، کام گاہوں، اداروں اور دفاتر میں عورتوں کی ہراسگی اور بلیک میلنگ کے سانحات آئے روز رونما ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا مقامات پر عورتوں کے آزادانہ میل جول، فراوانی اور دستیابی کے باعث انہیں آسان ہدف سمجھ لیا جاتا ہے اور معاشی مسئلے کو ان کی کمزوری سمجھتے ہوئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اقبال اس کے پس منظر میں موجود ذہنیت اور پروپیگنڈے کو آشکار کرنا چاہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اصل میں عورت کو اس محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے:

قصور زن کا نہیں کچھ اس خرابی میں گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں[۲۰]

اقبال کی اس فکر کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ سب سے اہم ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ جان جوکھم میں ڈال کر اتنی کٹھن، دشوار اور اذیت ناک جدوجہد سے کس منزل کا حصول مقصود ہے؟ عورت کو اپنے

نصب العین اور سمت کا واضح تعین کرنا ہو گا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انجانے میں وہ حریف کے پروپیگنڈے پر کام کر رہی ہو اور اپنا گڑھا آپ کھود رہی ہو؟؟ کیا اس کا نصب العین ایک مثالی اور آسودہ زندگی کا حصول ہے؟ عہدِ جدید کے تناظر میں جہاں صنفی امتیازات اور جہد للبقا جیسے مسائل کے مہیب پہاڑ سر اٹھائے کھڑے ہیں کیا یہ آسودگی ممکن ہو پائی؟ اس مثالی راحت کی تلاش میں عورت کیا کچھ گنوا رہی ہے؟ اور سب کچھ گنوا کر بھی کیا مثالی راحت اس کا مقدر بن سکی ہے؟ عورت کو اس پر سنجیدگی سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش — مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ — آزادیِ نسواں کہ زمرد کا گلو بند[۲۱]

پیشہ ورانہ حیثیتوں اور ان کے لیے درکار تعلیمی و عملی قابلیت کے حصول میں عمر کا ایک خاصا حصہ صرف ہو جاتا ہے اور لڑکیوں کی شادی کی عمر ڈھلنے لگتی ہے۔ مردوں کی روایتی تساہل پسندی اور ناقابلیت کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیوں کے لیے اوسط درجے کا بر بھی بہت مشکل سے ملتا ہے۔ ذہنی فاصلے رشتوں میں خلیجیں بڑھا دیتے ہیں نتیجتاً شادیاں تنازعات کا شکار ہوتی ہیں اور گھرانے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح، ذہنی انتشار، عدم برداشت، اولاد پیدا کرنے سے گریز اور عدیم الفرصتی، اولاد کی پرورش کے لیے وقت کا فقدان، آیاؤں اور گورنسوں کے مسائل، بچوں کے نفسیاتی مسائل اور سب سے بڑھ کر عدم اطمینان اور ناآسودگی کے مسائل۔۔۔۔ اس کی بنیاد کہیں نہ کہیں عدم توازن پر قائم ہوئی ہے۔ یقیناً حد اعتدال اور توازن کا قیام از حد ضروری ہے۔ اس طویل اور تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد اگر عورت کو عورت بننا ہی نہ نصیب ہو تو پھر یہ سب کچھ آخر کس لیے؟؟

راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتہ شوق — آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود
میں بھی مظلومیِ نسواں سے ہوں غم ناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود[۲۲]

اقبال کے تصورِ نسواں کو عہدِ حاضر کے تناظر میں حقیقی طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اقبال کا رویہ متعصبانہ نہیں ہے اور وہ عورت کو معاشرے کی تعمیر و ترقی سے منقطع کر کے کسی تنگنائے میں مقید کرنے کے حامی نہیں۔ وہ عورت کو ایک مکمل اور مقدس وجود سمجھتے ہیں اور اس کے حقیقی وجود کی بازیافت کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ اپنی تمام تر تقدیس اور ناموس کے تحفظ کے ساتھ بلا خوف و خطر مثبت اور تعمیری

کردار ادا کر سکے۔ عورت کی دل آزاری اور حوصلہ شکنی ان کا مقصود نہیں، عورت کی خدمات یقیناً لائق تحسین اور قابل فخر ہیں۔ اقبال کے افکار کو دیکھیں تو ان میں عورت سے متعلق ایسے متعدد مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں جو آج کی تانیثی تھیوری کا موضوع ہیں۔ ان میں معاشی استحکام، نفسیاتی و جسمانی تحفظ، آسودگی و راحت، آزادی اظہار، تعلیم و تربیت اور انفرادی شناخت جیسے مسائل شامل ہیں۔ اقبال بھی اپنے زاویہ فکر کے مطابق عورت کے ان مسائل کا حل چاہتے ہیں۔ عورت کو نظر انداز کرنے اور اس کی ذات سے جڑے ان سوالات سے پہلو تہی کرنے سے انھیں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے دیگر افکار کے ساتھ اس پہلو پر بھی توجہ مرکوز کی اور اپنے مخصوص طرز فکر کے تناظر میں نتائج پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ وجودزن سے متعلق ان عقدوں کی کشود کا جو زاویہ اقبال نے دیا ہے ممکن ہے اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہو، تاہم عورت کی ناموس، تحفظ ذات اور معاشی استحکام کے حوالے سے ان کے نقطہ نظر میں جو خلوص اور ہمدردی ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے ان مسائل کو زباں بخشی اور ان کی تکمیل پر زور دیا۔ ان کی فکر میں ایسے متعدد مماثلات تلاش کیے جا سکتے ہیں جو تانیثیت کے حوالے سے بحث کیے جاتے ہیں۔ تاہم تانیثیت کے میدان میں ان مباحث کا دائرہ خاصا وسیع ہو گیا ہے اور وہ ان مسائل کا حل جارحانہ اور بے لچک اصولوں کے تحت کرنا چاہتی ہے۔ مزید برآں تانیثیت عورت اور مرد کے مابین حیاتیاتی امتیاز کو رد کر کے مساوات مطلق پر زور دیتی ہے، اور عورت کے لیے ہر اس عمل کو روا گردانتی ہے جو مرد سرانجام دیتا ہے۔ جب کہ اقبال کے ہاں یہ فرق اس طور نمایاں ہوا ہے کہ وہ عورت کے حیاتیاتی امتیاز کو اس کی انفرادیت اور حسن سمجھتے ہیں اور ایسے اعمال کو اس کے لیے مضر گردانتے ہیں جو اس کی اس انفرادی تخصیص کی قیمت پر روا رکھے جائیں۔ دراصل ان کا نظریہ ایک توازن کی تلاش کی کوشش ہے۔ اس توازن کے لیے مرد اور عورت دونوں کو اپنا حقیقی کردار پہچاننے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے جس مثالی معاشرے کے قیام کے لیے یہ تصورات پیش کیے ہیں اس میں مرد کے کردار سے مراد یقیناً وہ نہیں جو عہد حاضر میں نظر آتا ہے۔ اس متوازن معاشرے کے قیام کے لیے پہلے مرد کو اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو پہچان کر اس منصب پر فائز ہونے کی ضرورت ہے جہاں اقبال اسے نسوانیت زن کا نگہبان کرنا چاہتے ہیں ورنہ زیادہ تر صورتوں میں تو وہ نگہبان کے بجائے راہ زن ہی نظر آیا ہے۔

حوالہ جات:


۱۔ علامہ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکیڈمی، طبع: یازدہم، ۲۰۱۳ء)، ۶۴۰۔

۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد: ۹، ۱۹۵۷۔

3. *Gender and religion Encyclopedia of society Volume:1*, p.556.

۴۔ جولی رفکن اور مائیکل ریان، ''تانیثیت کے نقوش: ایک تعارف''، مترجمہ: ارجمند آرا، مشمولہ: شش ماہی تنقید، جلد:۲-۴، شمارہ:۱ (علی گڑھ: شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء)، ۲۶۲-۲۶۴۔

۵۔ محمد رفیق افضل (مرتب)، گفتارِ اقبال (لاہور: ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، طبع دوم: ۱۹۷۷ء)، ۷۶-۷۷۔

۶۔ یوسف حسین خان،روحِ اقبال (نئی دہلی: غالب اکیڈمی، ۱۹۷۶ء)، ۳۳۵۔

۷۔ علامہ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال، ۲۰۶۔

۸۔ ڈاکٹر حمیرا شہباز، ''افکارِ اقبال اور خواتین کا کردار''، مشمولہ: ہلال اردو (افواج پاکستان کا مجلّہ)
https://www.hilal.gov.pk/urdu-article/detail/MjcxNA==.html/

۹۔ علامہ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال، ۲۰۶۔

۱۰۔ ابوالحسن ندوی،نقوشِ اقبال (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء)، ۲۸۴۔

۱۱۔ یوسف حسین خان،روحِ اقبال، ۳۳۶۔

۱۲۔ علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال، ۶۰۸۔

۱۳۔ علامہ محمد اقبال، مقالاتِ اقبال، مرتبہ: سید عبدالواحد معینی / محمد عبداللہ قریشی (لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۱ء)، ۳۲۶۔

۱۴۔ علامہ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال، ۳۱۵-۳۱۶۔

۱۵۔ علامہ محمد اقبال،مقالاتِ اقبال، مرتبہ: سید عبدالواحد معینی / محمد عبداللہ قریشی، ۳۲۰-۳۲۴۔

۱۶۔ ڈاکٹر بصیرہ عنبرین،اقبال: وجود زن اور تصویر کائنات (لاہور: دارالنوادر، ۲۰۱۹ء)، ۵۶۔

۱۷۔ انور پاشا (مرتب)،تانیثیت اور ادب (نئی دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۶۔

۱۸۔ ڈاکٹر وزیر آغا،تنقیدی تھیوری کے سو سال (اسلام آباد: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ۱۶۵۔

۱۹۔ علامہ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال، ۶۰۵۔

۲۰۔ ایضاً، ۶۰۴۔ ۲۱۔ ایضاً، ۶۰۷۔ ۲۲۔ ایضاً، ۶۰۹۔